
عروض جوہر
محمد علی جوہر

اللہ اکبر

عرض جوہر

از

مولانا محمد علی جوہر مدظلہ

جو تمامتر زمانہ اسیری بیجاپور جیل میں تصنیف ہوا

اور

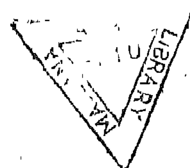
جسمیں تازہ ترین کلام جو تاریخ طبع تک حاصل ہو سکا شامل ہے

ناشر

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ

باہتمام عبد اللطیف خاں صاحب

مطبع جامعہ ملیہ علی گڑھ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا غالب الا اللہ

غزل

شوال سنہ ۱۳۴۱ھ — جون سنہ ۱۹۲۳ء

رہے گی اُٹھ کے یہ اک دن نقاب دیکھو تو
ہمارے رب ہو ہمیں سے حجاب دیکھو تو

سمجھ رکھا ہے تمہیں ناتواں پر اپنا بھی
ہے ذو انتقام شدید العقاب دیکھو تو

کرو نہ فکر کہ یہ زندگی دو روزہ ہے
حلال ہو کے رہے گی شراب دیکھو تو

شفق کے آج تو تیور ہی کچھ نرالے ہیں
نہ ہو کسی کا رخ پر عتاب دیکھو تو

تمہیں مواخذہ حشر کا یقیں نہ سہی
مگر قریب ہے یوم الحساب دیکھو تو

بس آ چلی ہے شب وعدہ اب تو غم نہ کرو
ہوا ہے زرد رخ آفتاب دیکھو تو

ہے قبلِ مرگ ہی اعدائے دیں کی واویلا
ابھی ہوا ہی کہاں ہے عذاب دیکھو تو

وہ دل کو گوشت کا ٹکڑا ہی جانکر سوچیں
کہ جل نہ جائے کہیں یہ کباب دیکھو تو

تباہ گھر تو خدا کا کرو یہ بس کس کو
کرے تباہ یہ خانہ خراب دیکھو تو

یہ کیا کہا کہ نہیں ہم سے بیکسوں کو مفر
کسی کے پاس ہے حسن المآب دیکھو تو

بہارِ خونِ شہادت دکھا گئے **جوہر**
خزاں میں اور یہ رنگِ شباب دیکھو تو

غزل دیگر

ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ — **مطلع اوّل** — جولائی ۱۹۲۳ء

ہم معنیٔ ہوس نہیں اے دل ہوائے دوست
راضی ہو بس اسی میں ہو جس میں رضائے دوست

طغرائے امتیاز ہے خود ابتلائے دوست
اُس کے بڑے نصیب جسے آزمائے دوست

یاں جنبشِ مژہ بھی گناہِ عظیم ہے
چپ چاپ دیکھتے رہو جو کچھ دکھائے دوست

ملتی نہیں کسی کو سندِ امتحاں بغیر
دار و رسن کے حکم کو سمجھو صلائے دوست

یعقوب بے فضول ہوئے لوگ خندہ زن
یاں لامکاں سے آتی ہے بوئے قبائے دوست

کیا کم تھا ہجرِ یار جو پھر اس پہ رشکِ غیر
دشمن کو بھی خدا نہ کرے مبتلائے دوست

ہے روح بھی نثار، بدن بھی نثارِ یار
دل بھی فدائے دوست جگر بھی فدائے دوست

جوہرؔ وہ صبر آپ ہی دیگا اگر ہمیں
ہے اعتبارِ وعدۂ صبر آزمائے دوست

مطلع ثانی

چھپی ہے کب چھپائے سے جو ہر ادائے دوست
دشمن کی دشمنی ہے فقط ابتلائے دوست

دنیا میں داد شعر کی یوں حسن رضا کو
کو نذر کا پیش خیمہ تھی کربلائے دوست

کیا جانیں کوئے یار میں پاؤں نہیں مگر
ہے انتظار دیکھیے کب تک بلائے دوست

اُس بزمِ الست کی کچھ دلکشی نہ پوچھ
کانوں میں آ رہی ہے ابھی تک صدائے دوست

چھپانے میں بھی کبھی رازِ دل مگر
دشمن سے کہہ گیا ان سے کہیں ماجرائے دوست

دیر و حرم میں کس لیے ہو یہ کس کی جستجو؟
حیرت کی جا ہے تو ہو وہیں جائے دوست

اک ہم ہیں خاک پا کی بھی حسرت میں جیتے ہیں
یا آپ سے تھے بوصیری کہ پائی ردائے دوست

۵

جائز ہی وصل و ہجر کا کیا امتیاز یاں؟
جو ہو جفائے غیر کو سمجھو وفائے دوست

غزل دیگر

ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۰ھ — اگست سنہ ۱۹۲۲ع

اس درد لا دوا کی دوا ہو تو چاہیئے
دست مسیح میں یہ شفا ہو تو چاہیئے

کہتے ہیں لوگ، ہجر ہے ظلمات پر خطر
کچھ دشت کربلا سے سوا ہو تو چاہیئے

جود و سخائے ساقی کوثر کی دھوم ہے
ہم کو بھی ایک جام عطا ہو تو چاہیئے

مرنے کو یوں تو مرتے ہیں ہر روز سیکڑوں
اپنے لیے پیام قضا ہو تو چاہیئے

کہتے ہیں نقد جاں جسے ہی عاشقوں پہ قرض
یہ قرض ہم سے جلد ادا ہو تو چاہیئے

ہر نیکی کو لے کے شکر کیا بھی تو کیا کیا
جاں دیتے وقت شکر ادا ہو تو جانیے

دیوانہ ہو جو منکرِ تہذیب ہو، مگر
وہ سنّتِ شہِ دوسرا ہو تو جانیے

کٹ جائینگے یہ دن بھی یہاں قیدِ محنت کے
کم کچھ مگر وہاں کی سزا ہو تو جانیے

تیزی ہے اُس کی زخمِ جگر کے لیے فقط
ناخن سے وا وہ بندِ قبا ہو تو جانیے

سُنتے ہیں کامیاب بھی ہوتے ہیں کچھ ضرور
اس عاشقی میں اپنا بھلا ہو تو جانیے

شہد و شرابِ خلد میں یہ چاشنی کہاں؟
کچھ خونِ دل سے بڑھ کے مزا ہو تو جانیے

جانے کو یوں تو جاتی ہے تو عرش تک مگر
حاصل کچھ اس سے آہِ رسا ہو تو جانیے

یوں منہ سے بڑبڑانے کو کہتے نہیں دعا
اتمامِ ما سعیٰ کی دعا ہو تو جانیے

سچا ہی اپنے وعدہ کا جو ہو بالیقیں
وعدہ ہمیں سے اپنا وفا ہو تو جانیے

غزل دیگر

محرم الحرام ۱۳۴۱ھ — اگست ۱۹۲۲ء

مہمانِ قفس کیا ترے فریاد کریں گے
اتنی بھی نہ اب خاطرِ صیاد کرینگے؟

وہ جس سے کہیں ہم تجھے دلشاد کرینگے
سمجھو کہ اُسے اور بھی برباد کریں گے

جو دشت کہ آرامگہِ سبطِ نبیؐ ہے
اُس دشت کو لاکھوں ابھی آباد کریں گے

حریتِ کامل ہے دلا بندگیِ حق
وہ تجھکو غلامی ہی میں آزاد کریں گے

۸

جو آرزوئے مرگ میں مرتے تھے وہ کشتے
کس منہ سے شکایت تری جلّاد کریں گے؟

۲ خوش کرنے کو قاتل کے ہم اور اشک بہائیں
ہاں زخمِ جگر ہنس کے اسے شاد کریں گے!

کہہ لینے دو دل کھول کے ناصح کو نہ ٹوکو
کچھ اور بھی شاید ابھی ارشاد کریں گے

ہم جانتے ہیں لطف و عنایات کو اُن کی
ہوگا یہی کچھ اور بھی بیداد کریں گے

سمجھتے ہیں کتنا کے مساواتِ جفا سے
وہ طرزِ ستم اور کب ایجاد کریں گے؟

ہیں جن کی نگاہوں میں ازل سے ترے جلوے
وہ آرزوئے جنتِ شداد کریں گے؟

رکھتے ہیں تمنا تری جو دل میں ازل سے

اے دل تجھے کچھ یاد بھی ہے عرش کا وعدہ؟
تو یاد کر اُن کو، تجھے یاد کریں گے

خارج ہو گر حدِ ادب سے تو میں پوچھوں
جو ہیں کب عیشِ شبِ بغداد کرینگے؟

دیگر

محرم الحرام سنہ ۱۳۴۱ھ　　　　اگست سنہ ۱۹۲۲ء

گلہ اے دل ابھی سے کرتا ہے
عشق کا دم اسی پہ بھرتا ہے؟

جان دیتا ہے عیشِ فانی پر
بس اسی زندگی پہ مرتا ہے؟

راحتِ جاوداں کو بھول گیا
کوئی دنیا میں یہ بھی کرتا ہے؟

عشق بن گر جیئے تو خاک جیئے
زندہ وہ ہے جو اس پہ مرتا ہے!

نام پر اس کے سب جو دے بیٹھا
وہی اک ہے جو نام کرتا ہے!

وقفِ مومن ہے آزمائشِ عشق
اس میں پورا وہی اترتا ہے
جس کو دنیا نے نامراد کہا
وہی ناکام کام کرتا ہے

ہے مسلماں کی بس یہی پہچان
کہ فقط اک خدا سے ڈرتا ہے
قولِ مومن ہے اُس کے فعل کی شرح
وہ جو کہتا ہے کر گذرتا ہے

مطمئن رہ، دلا، وہ جانِ جہاں
وعدہ کر کے کہیں مکرتا ہے؟
میرے رنگِ کفن کی شوخی دیکھ!
یوں ہی عاشق ترا سنورتا ہے!
آج کر لو جو کر سکو کل تک
کون جیتا ہے کون مرتا ہے

قلزم عشق میں گرا سو گرا
اس کا ڈوبا کہیں ابھرتا ہے؟

اس قدر احتیاط اے صیاد!
کہ قفس میں بھی پر کترتا ہے؟

وہی دن ہے ہماری عید کا دن
جو تری یاد میں گزرتا ہے

زہے اسلام کا بھلا جو ہر
نشہ چڑھ کر کہیں اترتا ہے؟

دیگر

محرم الحرام ۱۳۴۱ھ — اگست ۱۹۲۲ء

مرا شور و شیون سے در باغ جناں تک ہے
فغان بلبل نالاں بہار بے خزاں تک ہے

نہیں پالا پڑا قاتل تجھے ہم سخت جانوں سے
ذرا ہم بھی تو دیکھیں تیری جلادی کہاں تک ہے

تجھے ہی قوتِ بازو پہ عنترہ، صبر رستم کو
لگا دے زور تو سارا تری طاقت جہاں تک ہی

تکبر نے سکھایا ہی تغافل گر تجھے ظالم
تو اپنی بھی پہونچ سن لے امکیں لا مکاں تک ہی

بھلا مایوس کیونکر اُس سے ہو اُمت محمدؐ کی
کہ جس نصرت کا وعدہ ہر ضعیفؔ ناتواں تک ہی

یہ بادل کی گرج ہر دم یہ بجلی کی چمک پیہم
نمایش سب کی سب بلبل یہ تیرے آشیاں تک ہی

ہمیں ثابت قدم نکلے تو پھر اُس کے قدم اُٹھے
یہ جبر و قہر کا جادو ہمارے امتحاں تک ہی

ابھی کیا ہی؟ ابھی اے دل ہزاروں امتحاں ہونگے
ابھی تک ادعائے ضبطِ غم تیرا زباں تک ہی

غنیمت ہی اگر باقی کہیں کچھ پاس مذہب ہی
ہماری آبرو جو کچھ ہی اِس وضع سے نشاں تک ہی

اجابت کیوں نہ آئے عرش سے تا فرش اگر جوہر
دعا کا سلسلہ تیرے زمیں سے آسماں تک ہو

محرم الحرام سنہ ۱۳۴۱ھ — دیگر — اگست سنہ ۱۹۲۲ء

بیتاب کر رہی ہے تمنائے کربلا
یاد آ رہا ہے بادیہ پیمائے کربلا

ہے مقتل حسینؓ کی اب تک وہی بہار
ہیں کس قدر شگفتہ یہ گلہائے کربلا

اس باغ میں خزاں کا نہ ہوگا گزر کبھی
کیا رنگ دیکھئے ابھی دکھلائے کربلا

بنیاد جبر و قہر اشارے میں ہل گئی
ہو جائے کاش پھر وہی ایمائے کربلا

روز ازل سے ہے یہی اک مقصد حیات
جائیگا سر کے ساتھ ہی سودائے کربلا

جو رازِ کیمیا ہی نہاں خاک میں ترے
سمجھا ہی خوب ناصیہ فرسائے کربلا

مطلب فرات سے ہی، نہ آبِ حیات سے
ہوں تشنۂ شہادت و شیدائے کربلا

کوثر کے انتظار میں ہوں کب تشنہ کام
مجھ پر بھی اک نظر کرشمہ ولائے کربلا!

کرنے کو یوں ہزار کریں سجدہ کو بیاں
ہے خضر ہی کے واسطے دنیائے کربلا

جو عمرِ مسیح و خضر کو ملتی نہیں میسر
اور یوں نصیب سے تجھے مل جائے کربلا!

محرم الحرام ۱۳۴۱ھ   دیگر   اگست ۱۹۲۲ء

ہرگز نہ ہو اے دل غمِ جاناں کی شکایت
کرتا ہی بھلا کوئی بھی مہماں کی شکایت؟

آزاد تھے کب قیدِ غمِ عشق سے ہم کو
زنجیر کا شکوہ ہے نہ زنداں کی شکایت

وہ یہ نہ کہیں گے کہ تمھیں موت نہ آئی؟
کس مُنہ سے کریں ہم شبِ ہجراں کی شکایت؟

مشکورِ جنوں آپ ہیں وحشی ترے اُن کو
محمل کا گلہ ہے نہ بیاباں کی شکایت

گو صبرِ قیامت کا ہے درکار پر اے دل!
یاں کفر ہے اُس دشمنِ ایماں کی شکایت

جی چاہے جہاں بھیج ہمیں تجھ سے غرض ہے
مالک کا نہ کچھ شکر نہ رضواں کی شکایت

شرمندہ کفن نے کیا اِس درجہ کہ تا حشر
اب جیب کا شکوہ ہے نہ داماں کی شکایت

تھا اُن کے تصوّر میں بھی اِک وصل کا عالم
ہو سکتی ہے پھر کیا شبِ ہجراں کی شکایت؟

کیوں فکر ہو؟ کیا اپنے کبھی دن نہ پھرینگے؟
بیکار ہی پھر گردشِ دوراں کی شکایت

لڑتا ہی ہوا سے بھی کوئی لاکھ خفا ہو؟
بیجا ہی تری زلفِ پریشاں کی شکایت

ہیں عشق کے بیمار بھی دنیا سے نرالے
ہی درد کے بدلے انھیں درماں کی شکایت

اُن سے نہ ستم کا، نہ تغافل کا گلہ ہی
ہو جاتی ہی ہاں پاکیِ داماں کی شکایت

منظور نہیں جب انھیں خود جلوہ دکھانا
کیوں کیجیے پھر حاجبِ درباں کی شکایت؟

تھا نذرِ ازل ہی سے دل اُس جانِ جہاں کی
کرتے رہو یوں ابرو و مژگاں کی شکایت

مہماں دلِ جوہر کا بلا اذن سدھارا
پیکاں تو گیا، رہ گئی پیکاں کی شکایت

۲۳ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ — دیگر[1] — ستمبر ۱۹۲۲ء

عالم میں آج دھوم ہے فتحِ مبین کی
سن لی خدا نے قیدیِ گوشہ نشین کی

شیطانِ جلد باز کا جادو نہ چل سکا
تفسیر آج ہو گئی کَیدِ متین کی

ایمان واقعی ہو اگر غیب پر تو پھر
بو آئے ہر امید سے حق الیقین کی

ہے نامِ مصطفےٰ کی یہ برکت کہ پھر خدا
یوں جڑ جما رہا ہے محمدؐ کے دین کی

تیرے کرم نے اور بھی گستاخ کر دیا
اک عرض اور ہے ابھی اس کمترین کی

ق

اک گھر ترا یہاں بھی تو ہے اُسکے باب میں
کب لامکاں سے ہو گی مشیت مکین کی؟

[1] یہ غزل فتح سمرنا کی خبر معلوم ہونے پر لکھی تھی۔

ہم کو بھلا عزیز نہ ہو کیوں یہاں کی خاک
سرحد ملی ہو عرش سے جس سرزمین کی؟

اُس آستانِ پاک پہ گھستا ہے جل کے سر
سجدوں سے اور بڑھتی ہے رفعت جبین کی

ہیں سب عرب میں شام، فلسطین اور عراق
ہے شرط جن کے واسطے صرف ایک دین کی

بہرِ خدا یہود و نصاریٰ کو دو نکال
یہ ہے وصیت اُس کے رسولِ امین کی

وہ انبیا کا مولد و مدفن سپرد ہے
ختم الرسلؐ اور اُس کے ہر اک جانشین کی

تینوں حرم ہیں اُس کے جو ہے لاشریک لہ
ترکیب ہے درست یہی ایک تین کی

چودہ برس جو قبلہ رہا ہے رسولؐ کا
قیمت ہے اپنا خون اُسی کی زمین کی

[illegible]

وہ خود ہی کہتے ہیں کہ مانگو مدد، مگر
ایاک شرط یاد ہے نستعین کی

غافل، خدا کے قہر سے دیتی نہیں پناہ
سدِ سکندری ہو کہ دیوارِ چین کی

تعظیم لازمی تھی شہیدوں کی ورنہ یوں
اٹھتی نہ آنکھ خلد میں ہر حورِ عین کی

ہے رخشِ عمر آپ ہی منزل کے اب قریب
حاجت ہمیں رکاب کی باقی نہ زین کی

کھادی سے کے بعد جیل کا خلعت جنہیں ملا
کرتے نہیں تمیز وہ موٹے مہین کی

ہے بدترین عذاب یہی اک شریف پر
یارب کرائیو نہ اطاعت کمین کی

کس بوالہوس سے لذتِ چاشنیِ عشق
جو ہو، ضرور بھینس نے کی قدر بین کی!

دیگر

صفر ۱۳۴۱ھ — اکتوبر ۱۹۲۲ء

آخر کو لیکے عرش سے فتح و ظفر گئی!
مظلوم کی دعا بھی کبھی بے اثر گئی؟

اگلی سی اب وہ زعم کی طغیانیاں کہاں؟
شب بھر میں کیا بھری ہوئی ندی اتر گئی

عالم کا رنگ اور سے کچھ اور ہو گیا
ہم بیکسوں کی آہ عجب کام کر گئی!

ناکامیوں سے کام محبت کا بن گیا
اک دھات تھی کہ آگ میں پڑ کر نکھر گئی

جب طلعت و سعید و حلیم و انور و جمال
چل دیں تو کیا جئیں کہ طبیعت ہی بھر گئی؟

مانا کہ یاں تک آنے کی فرصت نہیں انھیں
پوچھو تو آج موت کہاں جا کے مر گئی؟

اپنی ہی عمر نے نہ وفا کی، وہ کیا کریں؟
ہم ہو چکے تو اُن کو ہماری خبر گئی

یکبارگی ہوس کے چُھٹے سارے مشغلے
اے دل، نگاہِ یار یہ کیا سحر کر گئی؟

خونِ شہید و اشکِ یتیم اب نہیں گراں
پھر کیوں نہ قدر و قیمتِ لعل و گہر گئی؟

اے دورِ چرخ، کب سے ہیں میخوار تشنہ لب
سُن تو سہی، وہ گردشِ ساغر کدھر گئی؟

صیّاد کیا ہوئی وہ تری خوئے احتیاط؟
مرغِ خیال کے نہ مرے پر کتر گئی؟

تسکین دہ اسیرِ قفس تھا خیالِ گل
دو چار دن میں آپ طبیعت ٹھہر گئی

اے یادِ یار تیری رفاقت رہے گی یاد
آئی تھی پاس بھی شبِ ہجراں، مگر گئی

کٹنے نہ پائے وصل کی شب سے عاشقِ دل
اک داستانِ غم تھی وہی تا سحر گئی

سامانِ زیب و زینتِ تن ہو چکا بہت
کچھ روح کی سنائیے، وہ بھی سنور گئی؟

دیگر

جمادی الاول ۱۳۴۱ھ — دسمبر ۱۹۲۲ء

کیوں شہر چھوڑ جا پھنسیں دہقانیوں میں ہم؟
مجنوں کے ساتھ ہونگے بیابانیوں میں ہم

آزاد بھی جنوں سے ہیں ہم ہوشیار بھی
جب سے ہیں اے جنوں ترے زندانیوں میں ہم

نادانیاں ہزار سہی، دوستو مگر
دانا بھی ہو گئے انھیں نادانیوں میں ہم

کب تک قبا جامہ دریدہ سے یوسف یہاں مظفر!
دانائیوں میں گم ہو کر بیابانیوں میں ہم

محروم گو حرم سے رہے ہیں پر نہ بے نصیب!
داخل تو آج ہو گئے قربانیوں میں ہم

ہنگامے روز روز کے خوگر بنا گئے
اب خوش ہیں آ کے ان کی پریشانیوں میں ہم

واقف نہ تھے کشش سے زلیخا کے عشق کی
یوسف کو ڈھونڈتے رہے کنعانیوں میں ہم

نارِ جحیم سے نہیں کچھ کم یہیں سے جسے
محسوس کر رہے ہیں پشیمانیوں میں ہم

گر ہے تجھے متاعِ قفس اس قدر عزیز
صیاد خوش ہیں تیری نگہبانیوں میں ہم

سمجھا چھڑا لیں اور اک اس قفس سے تو پھر
فارغ ہوں کیسے بے سروسامانیوں میں ہم

بن بن کے روز وصل کے نقشے بگڑ گئے
آباد پھر بھی ہیں انھیں ویرانیوں میں ہم

شوکت[1] کا قول ہے وہ تن توش جب نہیں
پھر کیوں گنیں نہ اپنے کو روحانیوں میں ہم

یہ ظلم ہے کہ سب کو کریں ایک سا خیال
پاتے ہیں عقل بھی کبھی شتروانیوں میں ہم

ہم زندہ دل ہیں زندۂ جاوید یا کہ خضر؟
بچوں سے اب بھی کم نہیں شیطانیوں میں ہم

جوہر، نہ کیوں یہ رسم کہیں زندہ کر چلیں؟
دار و رسن کے گرچہ نہوں بانیوں میں ہم

گاندھی کے ساتھ جا ملیں زندانیوں میں ہم

غزل دیگر

جمادی الاول ۱۳۴۱ھ — جنوری ۱۹۲۳ء

ہیں یہ انداز آزمانے کے
اور ہی ڈھنگ ہیں ستانے کے

بشرطیکہ وفا بھی ہے تقاضائے دیں بھی

کربلا سے بہانہ گو تر
جانیئے صدقے اس بہانے کے!

[1] یہ شعر اُس وقت لکھا گیا تھا جب مولانا شوکت علی صاحب کا وزن ۷۰ سیر کم ہو گیا تھا۔ اِس وقت قطعی ناموزوں ہے کہ

گھر چھٹا یوں کہ چھوڑنے والے
تھے نہ ہم اُس کے آستانے کے

ایک اک کر کے سب کے سب تنکے
ق
گئے برباد آشیانے کے

کچھ دنوں گھومنا مقدر تھا
ق
ساتھ ساتھ اپنے آب و دانے کے

دیکھئے اب یہ گردشِ تقدیر
ق
کہیں آنے کے ہیں نہ جانے کے

پوچھتے کیا ہو بود و باش کا حال؟
ہم ہیں باشندے جیل خانے کے

قید میں اور اتنی بے باکی؟
سب یہ لچھن ہیں مار کھانے کے!

سن بھی لیتا ہی حالِ دل وہ شوخ
آئے ہوں ڈھب پہ گر گستاخانے کے

جان کر قصہ نہ کچھ سنے اوراق
ق
جستہ جستہ مرے فسانے کے

نہ کسی اور کو یہ دم قاصد
میرے گھر وہ کبھی نہ آنے کے

تیری گردش کہاں گئی اے چرخ!
ہم ہیں محروم اک زمانے کے

خون عاشق سے سخت ہیں بیزار
ملک الموت اس زمانے کے

زنگ آلودہ ہو گئے سارے
ق
تھے جو آلات خون بہانے کے

کھلتے جاتے ہیں راستے لیکن
ق
روز دو چار جان جانے کے

تجھ سے سیکھے کوئی ستم ایجاد
ق
طرز عشاق کے ستانے کے

کیوں ہو خوں ریز جس کو گُر آئیں
عاشقوں کا لہو سکھانے کے؟

نازِ نخرہ و ادا اک نہیں، نہ سہی
ق
سو طریقے ہیں دل جلانے کے

یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا
منتظر ہیں فقط منانے کے
ق
پر ہم اُٹھنے کو آپ بیٹھے ہیں
ہم ہی دنیا سے اُٹھنے والے ہیں
خود ہی بیٹھے ہیں یاں تو اُٹھنے کو
اب گئے دن وہ ناز اُٹھانے کے

چلئے، جو گھر کو چھوڑیئے ناصح
منہ لگے آپ کس دوانے کے

جمادی الاول سنہ ۱۳۴۱ھ — **غزلِ دیگر** — جنوری سنہ ۱۹۲۳ء

اے دل! تجھی کو صبر جو پروردگار دے
تکلیف کیوں یہ کشمکشِ انتظار دے

بیڑے کو جس کے ڈر ہو یہ وہ ناخدا نہیں
آساں ہے اسکے واسطے ڈوبے اُبھار دے

دنیا اگر نہ چاہے تو یوں موت تک نہ دے
دینے پہ لیکن آئے تو پھر بیشمار دے

راضی ہیں جو رضائے الٰہی میں اُنکو کیا؟
جو چاہے اُن کو گردشِ لیل و نہار دے

ہم اُس کے ہو لئے تو پھر اب اس سے کیا غرض
وہ جیت اپنی فوج کو دے یا کہ ہار دے؟

تا ہم کریں عرض تو ناچار کیا کریں؟
جب چین ہی نہ ہم کو دلِ بیقرار دے

سینچا تھا اِس کو اپنے لہو سے حسینؑ نے
اب چاہے اس چمن کو خزاں دے بہار دے!

اے حاملِ شریعتِ کامل یہ سر بھی نذر؟
یا چاہتا ہے بوجھ ہی سر سے اُتار دے؟

تو کس خیال میں ہے؟ یہ وہ عشق ہی نہیں
اے بوالہوس جو فرصتِ بوس و کنار دے!

نعلین ہی پہ ہو نہ کہیں اکتفا کلیم
اس آستاں پہ آئے تو سر بھی اُتار دے

تجھ پہ مدارِ فتح ہے اے دل! عدو فقط
ہے اسلئے کہ وہ تیری چابکی نکھار دے

لغزش نہ ہو جو تیرے ہی پائے ثبات کو
ق
ہے تو ہی کامیاب وہ ایذا ہزار دے

دے نقدِ جاں تو بادۂ کوثر ابھی ملے
ساقی کو کیا پڑی ہے کہ یہ مے اُدھار دے؟

کٹتی ہے شغلِ عشق میں پل بھر میں عمرِ خضر
یہ دن ہی کیا ہیں قید کے اے دل گزار دے

رہرو تمہارا عشق کا منزل کو پا لیا
اب اور کیا نشاں مری لوحِ مزار دے؟

ہر رشک پاک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے

غزل دیگر

جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ جنوری ۱۹۲۳ء

فرق باقی گر کسی کے جیب اور دامن میں تھا
وہ جنونِ نارسا کا عکس پیراہن میں تھا

پھر دیا فیضِ جنوں نے اُس کا دامانِ مراد
فرق باقی کچھ نہ جس کے جیب اور دامن میں تھا

تیری کوتاہی ہے اے دستِ جنوں زنار ساز
ہوں جنونِ نارسا کے فیض سے زنار دار
ترکِ دستِ جنوں پر ہے گماں زنار کا

یہ بھی کیوں اک تار باقی میرے پیراہن میں تھا؟

کر کے چھوڑا اے جنونِ نارسا، زنار دار
کیا یہی اک تار پہلے میرے پیراہن میں تھا؟

کلام قمر

۳۱

دستِ وحشت سے شکایت پاؤں کے چھالوں کو ہے
دل میں کھٹکا جا کے ہر وہ خار جو دامن میں تھا

جورِ گلچیں یاد رکھ، قیدِ قفس کا غم نہ کر
چین کب اے بلبلِ نالاں تجھے گلشن میں تھا؟

زادِ تقویٰ تھا متاعِ کارواں جس وقت تک
قافلے لٹنے کا ڈر الٹا دلِ رہزن میں تھا!

یاد آتا ہے جراحت میں بھی لطفِ خستگی
تیرے پیکاں کا مزا کچھ کچھ سرِ سوزن میں تھا

رزق تیرا خود تجھے مل جائے گا تو غم نہ کر
وہ تو رزقِ برق ہی تھا جو تری خرمن میں تھا

عشق میں تاب و تواں ہیں اور بھی تکلیف دہ
درد ہو کر رہ گیا جو زور میرے تن میں تھا

دل جلی تو بھی ہی جل اٹھیں قفس کی تیلیاں
رات دیپک کا اثر بلبل ترے شیون میں تھا

اُس کا کعبہ جس کی جانب وزیر پڑھتے تھے نماز
کیا کہیں گے اُس سے، کیونکہ قبضۂ دشمن میں تھا؟

تجھ سے دردِ ہجر کہتا کون کس کی تھی مجال؟
فتنۂ صد حشر خوابیدہ تری چتون میں تھا

قاتلِ جوہرؔ کے ہاتھوں سے نہ چھوٹا حشر تک
کس بلا کا خون ظالم کی رگِ گردن میں تھا!

غزل دیگر

ہو کچھ بھی مگر شورِ سلاسل تو نہیں یہ
جوہرؔ کا تڑپنا دمِ بسمل تو نہیں یہ

ہے بات تو عجیب نزع میں تمکین رہے قائم
مقتل ہے ولا! رقص کی محفل تو نہیں یہ

معمور تقاضوں سے ہے شکووں سے ہے لبریز
جس دل پہ ہمیں ناز تھا وہ دل تو نہیں یہ

نالے کی غنیمت ہے اب اتنی بھی رسائی
وہ پوچھ رہے ہیں کوئی سائل تو نہیں یہ؟

ہوں تارکِ اسلام تو کیا، فکر ہے اس کو
ایمان کی جانب کہیں مائل تو نہیں یہ؟

کچھ ترکِ محبت تو نہیں، ضبطِ فغاں ہے
ہم کرنے پہ آجائیں تو مشکل تو نہیں یہ

آئی یہ ہو زنداں میں خبر موسمِ گل کی؟
سننا تو ذرا شورِ عنادل تو نہیں یہ؟

ہے وصل کی شب بھی تمھیں لے دے وہی پرخاش
پہلو میں پڑا ہے جو وہ حائل تو نہیں یہ

یاں قافلہ لٹتا ہے، بس اب یاں سے چل اے دل
تو آپ ہی کہہ دے گا کہ منزل تو نہیں یہ

بامعانی

جا لگنے دے جودی پہ سفینہ کو نہ کر فکر
بیکار کی رٹ ہے کہیں ساحل تو نہیں یہ؟

۳۴

مجنوں ہے تو کیا عشق کا احساس بھی کھویا؟
جس میں تری لیلیٰ ہو وہ محمل تو نہیں یہ

غزل دیگر

رجب شعبان و رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ مارچ و اپریل ۱۹۲۳ء

مطلع اوّل

عرش تک جو بے خطا جاتا ہے وہ تیر ہے
یہ سمجھتا ہے کہ میری آہ بے تاثیر ہے

خوگر قید وفا ہو کر کھل چکا زنداں میں راز
جرم بھی وہ قید ہے اس جرم کی تعزیر ہے

بے گناہی سے بھی بدتر ہوا اگر کوئی گناہ
تو سزا ہے عشق پا کر خجلت تقصیر ہے

چھوڑ میری فکر غافل رہ خود اپنی قید پر
جس کو تو زیور سمجھتا ہے وہی زنجیر ہے!

سجن و جنت، دونوں لئے کافر ہیں اس دنیا کا نام
وہ ازل سے بخت مومن یہ تری تقدیر ہے

دار ہی بنتی ہے اے دل زینۂ معراج عشق
خوابِ آشفتۂ محبت کی یہی تعبیر ہے

ہو نہ اولجھن جب جنوں جامہ دری کا اہل ہو؟
جب تلک دامن ہو خارِ دشت دامنگیر ہے!

ہاتھ تو ہونگے قلم پر نامہ بر یہ بھی کہا؟
دل چرا لیتی ہے پہلو سے یہ وہ تحریر ہے

پائداری میں ہے قصروں سے سوا اپنی قبر
جو قیامت تک رہے قائم یہ وہ تعمیر ہے

خونِ ناحق کا کسی کے شبہ اور تم پر ہے؟ مگر
سینۂ مجروح میں دیکھو تو یہ کس کا تیر ہے؟

مطلع ثانی

قید ہے جو ہو کہ بیجاپور کی تسخیر ہے؟
گولکنڈے بھی جو جا پہونچے تو عالمگیر ہے

اے مسیحا! اس مرض سے کون چاہیگا شفا؟
دار پر موت آئے اس کی بھی کوئی تدبیر ہے؟

اے مسلماں تو تو مسجود ملائک تھا کبھی!
پھر یہ شیطاں کی غلامی کیوں تری تقدیر ہے؟

کیا نہیں واقف ابھی اسلام کی تاریخ سے!
ان مع العسر یسرا ہی کی سب تفسیر ہے

ہو محمد کیوں نہ قرآں اور بھی ہمکو عزیز؟
اس میں خود تیری جو جیتی جاگتی تصویر ہے

دین میں اکراہ کیسا؟ ہاں برائے حفظ دیں
دل میں قرآں ہے ہمارے ہاتھ میں شمشیر ہے

لیس للانسان الا ما سعی کو یاد رکھ
کر توکل پھر تری تدبیر ہی تقدیر ہے

یا الٰہی، طوق لعنت ہو نہ گردن میں وہاں
غم نہیں گریاں ہمارے پاؤں میں زنجیر ہے

سحر کاری سوزِ دل کی، داد پاتی ہے زباں!
سب یہی کہتے ہیں کیا جادو بھری تقریر ہے

حیف جو ٹھہر ماسوا سے اور یہ ہم ورجا؟
جو کبھی بخشی نہ جائے گی یہ وہ تقصیر ہے

غزل دیگر

نہ اُڑ جائیں کہیں قیدی قفس کے
ذرا پر باندھنا صیاد کس کے

نشانِ آشیاں کیا جس چمن میں
لگے پھول ڈھیر سو تار و خس کے

ملے اک خم تو میخانے سے ساقی!
کہ ہم چھوٹے ہوئے ہیں دو برس کے

گراں ہو اب تو شاید سیر گل بھی
کچھ ایسے ہو گئے خوگر قفس کے

ملی ہے قید آزادی کی خاطر
نہ پڑ جائیں کہیں دونوں کے چسکے؟

جو رہنا چاہے بند غم سے آزاد
پھنسے پھندے میں کیوں تار نفس کے؟

مے کہنہ ملے گی مسجدوں میں
یہ چھپائے ہیں تیرہ سو برس کے

فرشتوں نے کیا ہے ان کو سجدہ
نہیں اے بت یہ بندے تیرے بس کے!

جو کھو بیٹھا متاع عزت نفس
برابر ہو گیا مور و مگس کے

ملے اب دیکھئے کب جام کوثر ؟
یہاں تو رہ گئے میکش ترس کے

گھٹیں کیا حبّ ملک و عشق مذہب ؟
نشے ہیں یہ بھی کیا چانڈو چرس کے

جو سچ ہے وعدۂ حوری تو یہ منہ
کھلے گا اک نہ اک دن خود برس کے

نہیں باقی رہا جب پاس آئین
مٹے سب تفرقے دزد و عسس کے

چمن تو ہم نے خود چھوڑا ہی گلچیں
گلے پھر کیا کریں صیاد قفس کے ؟

گیا اتنے میں خود تارِ نفس ٹوٹ
تھے جو منتظر اک ہم نفس کے

غزل دیگر

جنوں ہی سے نہ گر بالکل دلِ دیوانہ خالی ہو
نہ مانوں گا اثر سے نعرۂ مستانہ خالی ہو

اثر سے گر کسی کا نعرۂ مستانہ خالی ہو
تو پھر سمجھو جنوں سے بھی دلِ دیوانہ خالی ہو

مروّت سے تری ہم بیکسوں کی شرم رہ جاتی
بھری محفل میں ساقی! ایک ہی پیمانہ خالی ہو

وہ اچھا ہی سہی پر اب تو دل لگتا نہیں اُس میں
جو ذکرِ عشق و دردِ ہجر سے افسانہ خالی ہو

یہ حالت ہو گئی ہو ایک ساقی کے نہ ہونے سے
کہ خم کے خم بھرے ہیں مے سے اور میخانہ خالی ہو!

ہماری خاک کو کیا خاک ڈھانکیگا کہ خود تجھ سے
ابھی اے بوئے الفت، سبزۂ بیگانہ خالی ہو

دلا! ڈر ہے کہیں کعبہ پہونچکر تو نہ کہہ بیٹھے
کہ واپس چل یہاں سے اٹھو یہ بتخانہ خالی ہے

تری محفل میں ہوں یوں ایک تا اک ٹھٹکے فرزانہ
مگر افسوس! جائے عاشقِ دیوانہ خالی ہے

ہمیں ذوقِ اسیری چھوڑتا ہے کب گلستاں میں؟
قفس میں جب تلک اے صیاد کوئی خانہ خالی ہے

یہ مانا ہم نے جو تیرا شہر چھوڑا، پر کہاں جائیں؟
وہ تیرے دم سے تھا آباد، اب ویرانہ خالی ہے

شعبان المبارک ۱۳۴۱ھ — غزل دیگر — مارچ ۱۹۲۳ء

قیدِ اور قید بھی تنہائی کی
شرم رہ جائے شکیبائی کی!

سوجھتا کیا ہمیں ان آنکھوں سے؟
شرط تھی قلب کی بینائی کی

دیرِ بتخانہ سے بڑھنے ہی نہ پائے
گرچہ اِک عمر جبیں سائی کی

قیس کو ناقۂ لیلیٰ نہ مِلا
گو بہت بادیہ پیمائی کی

ق

ہم نے ہر ذرّہ کو محمل پایا
ہے یہ قسمت ترے صحرائی کی!

وقف ہے اُس کے لئے جانِ عزیز
کعبہ کے خادم و شیدائی کی

کعبہ و قدس میں گھر کیا؟ یہ بھی
اِک ادا ہے مرے ہرجائی کی

نظر آیا ہمیں ہر شے میں تو
اُس پہ یہ دھوم ہے یکتائی کی!

عشق اور جورِ ستمگر کا گلہ؟
حد ہے اے دل یہی رسوائی کی!

عقل کو ہم نے کیا نذرِ جنوں
عمر بھر میں یہی دانائی کی

کر گئی زندۂ جاوید ہمیں
تیغِ قاتل نے مسیحائی کی

طارق اچھا ہے یا رب کہ یہ ہو
میری اولاد میرے بھائی کی

ہے یہ طارق کا کرشمہ کہ ہوئی
ہو گئی تیری بدولت طارق
طارق آنے سے ترے آج ہوئی
میری اولاد میرے بھائی کی

ہو نہ آمادۂ لا، مقتل میں
کہیں ہوتی ہے تمنائی کی

نہ سہی تیغ، تجلی ہی سہی
آنکھ جھپکے نہ تماشائی کی!
ق

[illegible]

کل کو ہی پھر وہی زنداں ہو گھر
ٹھیک کیا آپ سے سودائی کی

شعبان المبارک ۱۳۴۱ھ **غزل دیگر** اپریل ۱۹۲۳ء

بمقام بھوپال

یا الٰہی یہ نام عشق کا لینا
اپنے پیچھے بلا لگا لینا

شرطِ تحریر سے پہلے جس سے کہ پھر
خط کو ہاتھ میں دلا لینا

نامۂ شوق اُن کو شوق سے لکھ
غیر کو بھی مگر دکھا لینا ق

کل کو یوسف کے واسطے ہی رقم
شرط ہو گی اسے جتا لینا ق

اگر آئے طبیب مرگ کبھی
دوستو ہم کو بھی بلا لینا

۴۵

ہے جو مومن تو بھول کر بھی ذرا!
نہ کبھی نام ماسوا لینا

دعویٰ توحید کا تو کرتا ہے
نفس کو مت خدا بنا لینا!

ہم پھریں تجھ سے یہ ہو یا رب!
اس سے پہلے ہمیں اٹھا لینا

تم کو روزِ جزا کا کیا ڈر ہے؟
داورِ حشر کو منا لینا!

ق

ورنہ ہے یہ تو بائیں ہاتھ کا کھیل
شاہدوں کو سکھا پڑھا لینا

[illegible] کبھی نہ [illegible]
[illegible] لینا

زلف سے [illegible]
شیخ [illegible] چھپا لینا

آج جی بھر کے دیکھ لینے دو
کل کو دل کھول کر ستا لینا

اِس بگڑنے کی کیا سند اے دل!
شام تک پھر اُنھیں منا لینا

وصل کی شب نہ چھیڑ قصۂ ہجر
یہ کسی اور دن سُنا لینا

زہر ہی ہو مگر وہ دیں تو کہیں!
مجھ کو لگتا ہے کیا بُرا لینا

اُن کے در سے زکوٰۃ حسن اگر
گالیاں بھی ملیں تو کھا لینا

ساقیا دیکھ تشنہ کام نہ جائیں
ذبح سے پہلے کچھ پلا لینا

غیر سے دوستی کرو لیکن
پہلے مجھ سے ذرا آزما لینا

طالبِ خلد، مردِ عشق بھی اب
ہو گیا ہے تجھے روا لینا؟

ایک ہی جام اور یہ سرمستی؟
ساقیا! دیکھ! میں چلا، لینا

تم کو زیبا نہ تھا وداع کے وقت
آنکھ جو مجھ سے یوں چرا لینا

غزل دیگر

رجب ۱۳۴۱ھ — مارچ ۱۹۲۳ء

مژدۂ فتح، اک پیغامِ جناں لایا ہے
کچھ تو میرے لئے ماہِ رمضاں لایا ہے!

میکشو! مژدہ! کہ جس سے پلٹ آتا ہے شباب
وہی سوغات پھر اب پیرِ مغاں لایا ہے!

خوش ہیں مرغانِ چمن کنجِ قفس میں بھی مگر
تو کہاں سے ہمیں، اے عشق! کہاں لایا ہے؟

مدخل صدق کی تعبیر ہی خود مخرج صدق
لے بھی جائے گا یہاں سے جو یہاں لایا ہے

حکمراں خلق پہ ہو گا وہی جس کا مذہب
خلق کے واسطے عیش دو جہاں لایا ہے

شکوہ صیاد کا بیجا ہے قفس میں بلبل!
یاں تجھے آپ ترا طرز فغاں لایا ہے

عشق تو اپنا خود انجام ہے پر تو ناصح
اور اک مسئلہ سود و زیاں لایا ہے

سعد اس واسطے چھٹے شوق شہادت میں عروس!
لینے جاتا ہے جہیز اپنے سناں لایا ہے

ہم اسیران قفس کب نہیں ممنون بہار؟
رنگ پھر آج تو کچھ درد نہاں لایا ہے

کرم غیر کے خوگر تو نہ تھے ہم اے چرخ
خیر ہے آج یہ کیا بار گراں لایا ہے؟

خوگر جو تھے ہم، پر کرمِ غیر نہ کیا؟
کیوں فلک آج یہ تُو کیا بارِ گراں لایا ہے؟

شعبان المبارک ۱۳۴۱ھ **غزل دیگر** مارچ ۱۹۲۳ء

مطلع اوّل

کافر ہنسی اُڑائیں خدا کے وعید کی
ساعت نہ یوں ٹلے گی عذابِ شدید کی

جب تک کہ دل سے محو نہ ہو کربلا کی یاد
ہم سے نہ ہو سکے گی اطاعت یزید کی

یہ راہِ خلد خود ہی نہ بھائے ہمیں، مگر
دعوت تو سب کو دیتی ہے تربت شہید کی

قائل نہ ہم ہوں کیسے معَ العُسر یُسر کے؟
اے دل! مہِ صیام ہے تقریب عید کی!

شکرِ خدا کہ جس نے پس از ظلمتِ فراق
پہلی جھلک دکھائی یہ صبحِ امید کی

کیا دے صلہ صبا کو پیامِ بہار کا؟
مرغِ قفس کی جان ہے نذر اس نوید کی

سائل کو اذنِ عام ہے اُس بارگاہ میں
کچھ پوچھ واں نہیں ہے قریب و بعید کی

تنہائی کیسی قید میں؟ ہے وہ جو ہم سخن!
کر تو تلاوت اُس کے کلامِ مجید کی

تو جس کو مل گیا اُسے ہر چیز مل گئی!
بڑھیا یہ گُر بتا گئی ہارون رشید کی

ہے خواب میں بھی حسنِ ضمیر تجھے حجاب؟
جو عمر کو آرزو ہی رہی تیری دید کی

مطلع ثانی

گویا ہی لاش بھی تو تمھارے شہید کی
پیہم صدا بلند ہی ہل من مزید؟ کی

ہر سنگ در پہ ہم نے جھکانے کے بعد سر
بیکار فرش کعبہ کی مٹی پلید کی

ہیں شوق کی اگرچہ اُمیدواریاں
نوبت کب آئے دیکھئے گفت و شنید کی

رکھ دیکھیں ہم دریغ غلام رحیم کو!
قدرت خدا میں کب نہیں خلق جدید کی

الطاف بھی ہیں گرچہ فرنگی محل میں خوش
پر بات ہی کچھ اور ہے عید سعید کی

ممکن نہ ہو دوگانہ، سوئیاں نہوں نصیب
زنداں میں ہی دو چند خوشی بقر عید کی

له اشارہ ہی الطاف الرحمن صاحب و سعید الرحمن صاحب قدوائی فرنگی محلی کی طرف مؤخر الذکر اب تک
[illegible] ۱۹۲۱ء

اُن[1] کا کرم بھی اُنکی کرامت ہی ورنہ یوں
کرتا ہی کوئی پیر بھی خدمت مرید کی

غزل دیگر

رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ — اپریل ۱۹۲۳ء

مطلع اوّل

تجھے تسکینِ دل پایا تجھے آرام جاں پایا
نہاں بھی ہی تو کیا تجھ کو جہاں ڈھونڈا وہاں پایا

ہمیں ہر چیز میں آئی نظر یارب ادا تیری
وہ کیسے ہونگے جن لوگوں نے تجھ کو بے نشاں پایا

کوئی نامہرباں ہوکر ہمارا کیا بگاڑے گا؟
کرم تیرا تو ہی ہم پر تجھے تو مہرباں پایا

ترا وہ مبتلا ناکام سمجھا جس کو دنیا نے
اُسی کو سرخرو دیکھا اُسی کو کامراں پایا

[1] اشارہ ہی مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی مدظلہ العالی کیطرف

عنادل ہیں چمن کی تیرے فصلِ گل سے بے پروا
محبت کو تری ہم نے بہارِ بے خزاں پایا

حرم میں تھا ہر اک کو یوں تو تیرے عشق کا دعویٰ
جو کی تحقیق تو اکثر وہی عشقِ بتاں پایا

ہماری جان بھی حاضر ہے اُسکے اک اشارہ پر
کہ جس کو اک جہاں نے آپ ہی جانِ جہاں پایا

کسی کو ڈھونڈھتا دیکھو خود اپنے گوشۂ دل میں
تو بس سمجھو کہ اُس نے سُراغِ لامکاں پایا

رہا آوارۂ دیر و حرم پہلو سے بیگانہ
دل اُس کا عرش و کرسی ہے کہاں ڈھونڈا کہاں پایا

خجل خود خجلتِ تردامنی سے ہو گئے عاصی
تری رحمت کو جب دیکھا تو بحرِ بیکراں پایا

جہاں یہاں ہو وہاں کیسے گذر ہو یاس و حرماں کا؟
کسی مومن کو بھی ہائے دل خدا سے بدگماں پایا؟

نہیں سرکش کی سرکوبی میں وہ محتاج قوت کا
اسی کو چن لیا جس کو ضعیف و ناتواں پایا
وہ ساقی جس نے تلچھٹ تک نہ رکھی فکرِ فردا میں
اُسے کوثر پہ ہم نے قبلہ گاہِ میکشاں پایا
نہیں معلوم کیا ہو حشر جو محشر کا پڑتا ہے
کہ ہاں نامِ محمد ﷺ مرتے دم وردِ زباں پایا

مطلعِ ثانی

سرور و کیف لاتحزن کو بشرے سے عیاں پایا
اسیرِ قیدِ تنہائی کو مست و شادماں پایا!
طوافِ کعبہ بھی کر آئے شوقِ حور و غلماں میں
جب آخر دار کو دیکھا در باغِ جناں پایا
کرو برباد تنکے شوق سے اس آشیانے کے
کہ ہم نے شاخِ طوبیٰ پر نیا اک آشیاں پایا

دلا! خوش ہو نشانہ ہے اگر تو جورِ بیجا کا
یہ کیا کم ہے کہ تجھ کو مستحقِ امتحاں پایا!

حیاتِ جاوداں کیا خاک ملتی مر کے زاہد کو
اُسے تو موت سے پہلے ہی مشتِ استخواں پایا

خیالِ خلد نے آوارہ رکھا مدتوں ہم کو
وہ چھوڑا تب کہیں جا کر درِ پیرِ مغاں پایا

نہ بھائی ہوگی یہ تمکیں، یہ وضعِ احتیاط اُس کو
اگر ساقی کو رندو! تم نے کچھ کچھ سرگراں پایا

ہوا تھا قید فصلِ گل میں جو مرغ اُس کے گلشن کا
قفس سے چھٹتے ہی صیدِ ستمِ جورِ خزاں پایا

سنبھل جائے گی تیری ہم نے سن لے قضا کہتے ہیں
گرا کے ہم نے اے دل تجھ کو سرگرمِ فغاں پایا

"میاں بھائی" کبھی "بھیا" کبھی "سرکار" مضاں میں
نصیبِ ہمرہاں دیکھو کہ ایسا کارواں پایا

لہ اشارہ ہے والدِ مرحوم اور نسیم مرحوم کی طرف

ہماری سب کی آبادی ہے تیرے دم سے آبادی

بڑھاپے میں بھی ہم نے تیری ہمت کو جواں پایا

جو ہر حالت میں صبر و شکر ہوں اسلام کے معنی

ق

تو تجھ کو عالموں سے بڑھ کے اس کا رازداں پایا

زمانے کے جو گرم و سرد سے ہو جائے بے پروا

تو اس کی یاں بھی جنت ہے کہ عیش جاوداں پایا

بصد حرماں لٹے بالیں کسے خواہاں فراغت کے

جسے وہ نیم جاں سمجھے تھے اس کو سخت جاں پایا

ہمیں تھے وہ نیم جاں سمجھے تھے لیکن سخت جاں پایا

دل جو تھا کبھی پہلو میں کو وہ آتش فشاں تھا

کبھی جو دھر کے پہلو میں بھی کو وہ آتش فشاں تھا

کبھی جو دھر کے پہلو میں بھی اک آتش فشاں دل تھا

پر اب کی بار جو دیکھا تو یوں ہی سا دھواں پایا

له اشارہ ہے اپنی والدہ ماجدہ بی اماں صاحبہ کی طرف

رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ — مئی ۱۹۲۳ء

غزل دیگر

مطلع اوّل

ڈر نہیں مجھ کو گناہوں کی گرانباری کا
تیری رحمت ہی سبب میری سبکباری کا

داغ نے اک سگِ دنیا کو یہ بخشا ہی عروج
ہی فرشتوں میں بھی چرچا مری دینداری کا

دل و جاں سونپ چکے ہم تجھے اے جانِ جہاں!
اب ہمیں خوف ہی کیا اپنی گرفتاری کا؟

جان بھی چیز ہی کوئی کہ رکھیں تم سے دریغ؟
پاس اتنا بھی نہ ہو رسم وفاداری کا؟

چیز ہی ایسی وہ کیا ہی کہ رکھیں جان دریغ؟
کیا اب اتنا بھی نہ ہو پاسِ وفاداری کا

ساقیا سب کو تری ایک نظر تھی کافی
تھا کسے ہوش ترے عہد میں ہشیاری کا

ہیں فدا آج بھی ہو جائے وہی ایک نگاہ!
خاتمہ ہو کہیں اس دور کی خودداری کا!

تجھ کو کیا فکر ہے؟ کافی ہے تجھے صبر و صلوٰۃ
حل ہے ہر حال میں اے دل یہی دشواری کا

عشق ہے باعثِ تکوینِ جہاں ہے غافل!
تو نے جانا کہ یہ اک شغل ہے بیکاری کا!

عاشقوں کے لیے ہے دار ہی داروئے شفا
عشق کی طب میں دوا نام ہے بیماری کا

اجل استادہ ہے بالیں پہ مریضِ غمِ عشق!
آنکھ تو کھول ذرا، وقت ہے بیداری کا

جو ٹھہرا در حاجب درباں کی خوشامد کیا خوب!
عرش و کرسی پہ گذر ہے ترے درباری کا!

مطلعِ ثانی

مل چکا تجھ سے صلہ ہم کو وفاداری کا
تجھ کو آیا نہ سلیقہ کبھی دلداری کا

طفلِ مکتب ہی ترے سامنے خود چرخِ کہن
کس سے سیکھا ہے یہ اندازِ دل آزاری کا؟

عقل والا کوئی بچتا نہیں پھندے سے ترے
گو بہت عام ہے شہرہ تری عیاری کا

ہم کو خود شوقِ شہادت ہے گواہی کیسی؟
فیصلہ کر بھی چکو مجرمِ اقراری کا

میری شہرت بھی اگر ہوگی تو کیا؟ قتل بھی کر
نام ہو جائے گا تیری بھی ستمگاری کا

کیا قباحت ہے مری قتل سے شہرت ہی سہی
نام ہوگا نہ بھلا تیرے ستمگاری کا؟

قاتل اٹ پڑی کیا جام شہادت دے چکے
ہو گیا وقت کبھی کا مری افطاری کا

تو ہو آمادہ جو اے دل، تو ہی پھر ابھی ہیچ!
آزما دیکھ نہ یہ سب کھیل ہے تیاری کا!

سب ہیں فانی، غم دنیا نہ رہا ہم نہ رہے
رہ گیا نام غم عشق کی غمخواری کا

تو تو ہم سب کو یہیں چھوڑ چلا اے جوہر
شور سنتے تھے بہت تیری وفاداری کا

مطلع ثالث

ہو گیا حال یہ کیا ہائے! وفاداری کا
کوئی پرساں نہیں اس دور میں بیماری کا

یاد آتا نہیں بھولے سے تمہیں عہد الست
ہم پہ الزام وہی دھرتے ہیں غداری کا

ہوئی تقصیر کہ بھولے نہیں ہم عہد الست
ہے بجا ہم پہ اگر الزام ہو غداری کا

جرم سنگیں ہے، خدا ہی ہے جو ہو جائے نجات!
"ہم پہ الزام ہے مذہب کی طرفداری کا!"

حاکم وقت ہے دنیا کا ہر ادنیٰ سا غلام
زعم ہے مور و مگس کو بھی عملداری کا

سرفروشی کے لیے ہم تو ہیں آمادہ مگر
حوصلہ بھی تو کسی میں ہو خریداری کا

سب کی ہو کر نہ ہوئی ایک کی تو اے دنیا!
کون گرویدہ ہو تجھ سی زن بازاری کا

جوہر، افسوس! کہ زنداں میں بھی چکی نہ ملی
قید ہو کر بھی ہوں محتاج پسنہاری کا

غزل دیگر

سنہ ۱۳۴۱ھ

یوم الوداع رمضان المبارک — مئی سنہ ۱۹۲۳ء

بس ساتھ تھا اس ماہِ مبارک کا یہاں تک
اب دیکھئے جیتے بھی ہیں اگلے رمضان تک

کوثر پہ کھلا کیوں نہ اجل! آج کا روزہ؟
پہونچا نہ دیا ہم کو درِ پیرِ مغاں تک؟

یکبارگی ہر قید سے ہو جائے رہائی
جا پہنچیں جو زنداں سے کہیں باغِ جناں تک

گھبرا کے لگا کہنے دِلا، تُو تو ابھی سے
"ہے صبر کی حد بھی کوئی؟ ہو صبر کہاں تک؟"

یاں جنبشِ مژگاں بھی ہے اک جرم، مگر ہے
مطلوب تجھے فرصتِ فریاد و فغاں تک

اقرار ہے یہی مکتبِ تسلیم و رضا کی
وہ سر بھی اڑا دیں تو ہلانا نہ زباں تک

تو شوق سے کر ظلم نہ ڈر قحطِ وفا سے
سستی ہے ترے واسطے یہ جنسِ گراں تک

اِس بارگہِ حُسن کو کیا اُس سے سروکار؟
سرحدِ ہوس جاتی ہے بس عشقِ بتاں تک

جو حشر سا سیہ کا اثر اور انجامِ شہادت!
اُس سے تو کسی کو بھی نہ تھا اس کا گماں تک

شعبان و رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ **غزل دیگر** اپریل و مئی سنہ ۱۹۲۳ء

جان تو دے سکتے ہیں زینت ہوں درباروں کی
ہوتا اب اتنی بھی اوقات وفاداروں کی؟

زخم دل کا انہیں بھولے سے بھی آیا نہ خیال
کون لیتا ہے دعا ایسے نمکخواروں کی؟

کہہ دو رضواں سے نہیں سایۂ طوبیٰ درکار!
اپنی جنت ہے یہیں چھاؤں میں تلواروں کی

بوجھ میرا نہ اٹھائے کوئی محشر میں تو کیا؟
دستگیر آپ جو رحمت ہے گنہگاروں کی

ہے محمدؐ کی شفاعت تو خدا کی رحمت
حشر کیا عید ہے امت کے گنہگاروں کی!

روز کچھ مرتے ہیں پھر بھی نہیں درماں کا خیال
حالت اچھی ہے ابھی آپ کے بیماروں کی!

سرفروشانِ جفاکش کے سروں کی قیمت
اور بھی بڑھ گئی قلّت سے خریداروں کی

کرچکے پانوں تو مہمانیِ خارِ صحرا
سر بھی دعوت کرے اب شہر کی دیواروں کی

کہہ دو ان گوشہ نشینوں سے بھریں گوشۂ قبر
نہیں دنیا میں جگہ آپ سے بیکاروں کی

ایک ہی دوسہی پر کچھ تو پہنچتیں دل تک
تو کہیں رہ جاتی ہیں سب پاؤں میں کیوں خاروں کی؟

تو وہ خاک بھی اِک قبر کو میری ہے بہت
اس عمارت کو ضرورت نہیں معماروں کی

ساقیا! ابر بھی ہے مے بھی ہے اور تو بھی ہے مست
آج برآئیں مرادیں ترے میخواروں کی

جب نہیں دعدے کو ایفا سے ذرا بھی سرکار
پھر کمی کیا ہے تمہارے لیئے اقراروں کی

ناتمام غزلیں اور اشعارِ متفرق

خود ہمیں میں ہو غمِ عشق کی جو دھڑکن کی؟
ورنہ دنیا میں کمی کچھ نہیں غمخواروں کی

میرے لہو سے خاکِ وطن لالہ زار دیکھ
اسلام کے چمن کی خزاں میں بہار دیکھ!

کیا عشقِ ناتمام کی بتلاؤں سرگزشت؟
دار و رسن کا اور ابھی انتظار دیکھ!

یہ دو شعر سب سے آخر میں جیل چھوڑتے وقت لکھے گئے تاکہ جو احباب جیل کے مصائب کے متعلق سوال کریں اُن کو مختصر جواب دیا جا سکے۔

نہ بھائے گا تمہیں قصہ عزیزو! عیشِ رفتہ کا
یہ کیا کیجے نہیں تو اک یہی افسانہ آتا ہے

ابھی اے دستِ وحشت مت الجھ چاکِ گریباں سے
یہ تھوڑی ہی بستیاں ہیں پھر وہی ویرانہ آتا ہے

یقیناً فصلِ گل میں پھر نکل بھاگا ہے زنداں سے
وہی شورِ سلاسل ہے، وہی دیوانہ آتا ہے

ہم اُس کی راہ میں مرنے کی دیکھتے رہے راہ
ذرا سا کام تھا، وہ بھی اجل سے ہو نہ سکا

کیے نہ معصیتِ رب میں طاعتِ مخلوق
تری جفا سے، ہماری وفا سے ہو نہ سکا

یہ فقط دو چار دن کی بات ہے

پھر وہی تو ہے، وہی صحبت دلا

قید ہے قیدِ غلامی، دو برس کی قید کیا؟

دیکھو، کب ہوگا تمام اس قیدِ بے میعاد کا؟

پیامِ مرگ ہے پیغامِ یار و مژدۂ وصل

وہ کام اجل نے کیا جو صبا سے ہو نہ سکا

مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تباہی کیا کروں؟

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا الٰہی کیا کروں؟

اُس کی رحمت کو تو خود درکار ہے عذرِ گناہ

لیکے پھر زاہد کا عذرِ بے گناہی کیا کروں؟

"پیامِ محبس و دعائے اسیری"

اپنی عزیز بیٹی آمنہ کی علالت پر جس کی اطلاع

جیل خانہ میں ملی تھی۔

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی، وہ تو مگر دور نہیں

اُس کی رحمت سے جو مایوس ہو وہ کافر ہے
ہم توکّل سے کسی وقت بھی معذور نہیں

امتحاں سخت سہی پر دلِ مومن ہے وہ کیا
جو ہر اک حال میں امید سے معمور نہیں؟

صبر بھی شیوۂ مسلم ہے مگر شکرِ خدا
نورِ اسلام سے دل آج بھی بے نور نہیں

ہے دعا اور دوا فرض ولے حکمِ خدا
ٹل سکے یہ کسی بندے کا بھی مقدور نہیں

ہم کو تقدیرِ الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ
اہلِ تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اُس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

اب دعا لب پہ ہم جاری ہو اگرچہ اُس سے
یوں بھی حالِ دلِ مضطر کبھی مستور نہیں

تُو تو مُردوں کو جلا سکتا ہے قرآں میں کیا
یُخرِجُ الحیَّ مِنَ المیّت مذکور نہیں؟

۲ تیری قدرت سے خدایا تری رحمت سے کریم
آمنہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہیں

باپ کے دل کو تو یوسف کی طرح ہے وہ عزیز
نہ سہی حسن میں گر خلق میں مشہور نہیں
یاں بھی ہے یوسف و یعقوب میں زنداں حائل
میں ہوں محصور اگر آپ وہ محصور نہیں
مرہمِ زخمِ جگر آج بھی ہے صبرِ جمیل
حزنِ فرقت سے مگر آنکھ میں اب نور نہیں

میری اولاد کو بھی مجھ سے ملا دے یارب!
تو سہی کم شدے تیری رحمت کا یہ دستور نہیں؟

شان اپنی رحمت سے مجھے دکھلا کہ ہو تسکیں کا نزول
دل کو جو صبر ہے یہ یارب یہ جمیل آثار نہیں

نوحہ

نوحۂ غم سے گھٹاتے ہیں ہم شانِ حسینؓ
حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شایانِ حسینؓ

آج ہی اُمّتِ احمدؐ کے لئے فخر کا دن
آج کے روز ہوئی فتحِ نمایانِ حسینؓ

حشر تک چھوڑ گئے ایک درخشندہ مثال
حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسانِ حسینؓ

جو اُفق پر نظر آتا ہے محرّم کا ہلال
ہے ہمارے لیے وہ مہرِ درخشانِ حسینؓ

کربلا تب سے شہادت کا بنی ہے کلمہ
دین ہے اُمّتِ عالم کا اب ایمانِ حسینؓ

شکر حق ہے کہ ابھی حق کی حمایت کے لئے
جان دینے کو ہیں موجود غلامانِ حسینؓ

…سے پوچھو کہ جنھیں جان ہو ایمان سے عزیز
…ئی کس جان سے بتلاؤ نہیں جانِ حسینؓ ؟

اُس کو سینچا ہے شہیدوں نے لہو سے اپنے
سبز و شاداب نہ پھر کیوں ہو گلستانِ حسینؓ ؟

…نہ گلچیں کی رسائی نہ خزاں کا ہے گزر
…سے واقف ہی نہیں بلبلِ بستانِ حسینؓ

تب سے جاری ہے یہاں صبر و رضا کا لنگر
دلِ حاسد کی طرح تنگ نہیں خوانِ حسینؓ

…لت ایثار کی بٹتی ہے یہاں صدیوں سے
…تم ہوتا ہی نہیں گنجِ فراوانِ حسینؓ

حق و باطل کی ہے پیکار ہمیشہ جاری
جو نہ باطل سے دبیں ہیں وہی شیعانِ حسینؓ

…ہیں میدانِ عمل تنگ مسلماں کے لیے
…یہی گوشۂ حسینؓ اور یہی میدانِ حسینؓ

۴۷

اُن کی تقلید کے دعوے کی کسے جرأت ہے
کہہ سکے کون کہ ہیں ہم بھی مریدانِ حسینؓ!

نام میں اُن کے اپنے جدّ سے ہی نسبت تو ضرور
اور دل سے بھی ہے ہر وقت ثنا خوانِ حسینؓ

گر شہادت کہیں جوہرؔ تجھے مل جائے تو پھر
رہے کوثر پہ بھی وابستہ دامانِ حسینؓ

حضرات!

مولانا محمد علی مرحوم کی ذات مبارک تعارف کی محتاج نہیں ہے۔
انشا ایسی ہستی آج تک دنیا کے پردے پر نہیں گذری ہے۔
اور خصوصاً اس زمانہ کیلئے تو وہ باعث فخر ہستی تھی۔
ان کا طرز کام سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔
میری رائے ذرا لگا تو آپ اس کتاب سے اور بھی آگاہ ہوں
آپ کا اتنا وقت صرف کرنا جائز ہے فائدہ اٹھائیں۔
گر قبول افتد زہے عز و شرف

آپ نے ناحق اتنا تکلف کیا



MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

book must be returned on the date stamped ve.

ne of Re. 1.00 per volume per day shall be ged for text-books and 10 Paise per volume day for general books kept